رُت بسنتی

رُت بسنتی آ گئی
آ کے گُل بُوٹوں کے گہنے دھرتی کو پہنا گئی
رُت بسنتی آ گئی
تِتلیاں ہیں اُڑتی پَر سَت رِنگی پھیلائے ہُوئے
کلیوں پَر منڈرا رہے ہیں بھنورے للچائے ہُوئے
جاگتی آنکھوں میں سپنے بُننے کی رُت آ گئی
رُت بسنتی آ گئی
بَور کی خوشبو سے مہکے مہکے ہیں باغ آموں کے
اوڑھ لی پیلی چُنریا سب کھیتوں نے سرسوں کے
کِھلنے کو بیکل کَلی کی اوڑھنی سَرکا گئی
رُت بسنتی آ گئی
دِل کو آنکھوں میں دھڑکتے رہنے کا ڈھنگ آ گیا
خامشی کو بھی بہت کچھ کہنے کا ڈھنگ آ گیا
یاد پردیسی سجن کی سجنی کو تڑپا گئی
رُت بسنتی آ گئی
دُور اب اپنے کناروں سے ہے مدماتی ندی
سِمٹی اپنے آپ میں اِٹھلاتی بَل کھاتی ندی
بات اُبھرنے ڈوبنے والی سمجھ میں آ گئی
رُت بسنتی آ گئی
چارپائی آ گئی دالانوں سے انگنائی میں
رعب اب باقی نہیں ہے جاڑے کی ٹُھکرائی میں
الگنی پر بیٹھ کر گوریّا یہ سمجھا گئی
رُت بسنتی آ گئی
اے نیازؔ آنکھوں میں ہے تصویر جیراجپور کی
فخرِ ہندوستان کی اور اعظمؔ گڑھ کے نور کی
یادیں میرے گاؤں کی سنگ اپنے لے کر آ گئی
رُت بسنتی آ گئی

نیاز جیراجپوری، 67/ جالندھری، اعظم گڑھ (یوپی)

بسنت

چھٹی دھند سب، ختم کہرا ہوا
ہوئے گرم دن، دور جاڑا ہوا
گئے کپکپانے، ٹھٹھرنے کے دن
لحافوں کو آباد کرنے کے دن
نہیں اب انگیٹھی کی حاجت کوئی
نہ ہی کوئلوں کی ضرورت کوئی
بدن سے لبادے اترنے لگے
ضعیفوں کے حلیے سدھرنے لگے
جو بوڑھے تھے پھر سے جواں ہو گئے
جو ٹھہرے تھے دریا، رواں ہو گئے
پرندے بھی سب چہچہانے لگے
خوشی کے سبھی گیت گانے لگے
یکایک ہوا زرد سب کا لباس
ہوئے مست وہ جو تھے اب تک اداس
جو سادے تھے دامن، وہ پیلے ہوئے
کسے پیرہن آپ ڈھیلے ہوئے
حسیں پھول سرسوں کے ہر سو کھلے
تو ٹیسو بھی دھرتی کی رونق بنے
زمینوں پہ سجنے لگیں کھیتیاں
گلابوں پہ شیدا ہوئیں تتلیاں
خزاں کو مٹانے جو آیا بسنت
مسرّت کا پیغام لایا بسنت

راحت حسن
پریم نشان، دودھ پور، علی گڑھ (یوپی)